بانگ درا میں موج کی علامت

علامہ اقبال کا تصور حرکت و زندگی

طاہر حمید تنولی

Abstract:

This article explores Allama Iqbal's philosophy centered on life, movement, and action, emphasizing constant growth and struggle as essential elements of human existence. Through his poetry and prose, especially his lectures in The Reconstruction of Religious Thought in Islam, Iqbal presents life as a dynamic force requiring continual progress and alignment with nature's principles. The symbol of "wave" (Mauj) in his poetry represents life's perpetual motion, striving, and evolution, encapsulating the essence of growth, self-awareness, and collective progress. By depicting movement as the essence of life, Iqbal motivates individuals and societies to rise above stagnation, face challenges courageously, and foster self-improvement and unity within their communities. His vision extends beyond individual transformation to include societal awakening through innovation, spiritual democracy, and ijtihad. Iqbal's poetry, enriched by metaphors of waves, inspires resilience, self-realization, and a steadfast commitment to change. His message of continuous movement and renewal remains a timeless call to action, guiding humanity towards collective and personal development.

علامہ اقبال کو زندگی، حرکت، اور عمل کا شاعر کہا جاتا ہے۔ ان کی شاعری اور فلسفے کا ایک بنیادی محور انسان کو فطرت کے اصولوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے اور مسلسل حرکت میں رہنے کی تلقین ہے۔ اقبال کے نزدیک زندگی جامد نہیں، بلکہ ایک متحرک قوت ہے جو ہر لمحہ ارتقاء اور پیش قدمی کا تقاضا کرتی ہے۔ انہوں نے

اپنے فلسفے کو خاص طور پر اپنی کتاب The Reconstruction of Religious Thought in Islam میں بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ ان خطبات میں اقبال نے حرکت، زندگی، اور ارتقا کے اصولوں کو دینیاور فکری بنیادوں پر اجاگر کیا ہے اور بتایا ہے کہ اسلامی تعلیمات کس طرح انسان کو جدوجہد، عمل اور مسلسل آگے بڑھنے کی ترغیب دیتی ہیں۔

اقبال کی شاعری میں ان کے اسی فلسفے کی عکاسی ہوتی ہے، جس میں وہ زندگی کو عمل، پیش قدمی اور حرکت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں 'خودی' کا تصور، جو انفرادی سطح پر خودشناسی اور خوداعتمادی کا درس دیتا ہے، ایک متحرک زندگی کا پیغام ہے۔ اسی طرح، اجتماعی سطح پر اقبال اجتہاد اور روحانی جمہوریت کے اصولوں کو فروغ دیتے ہیں، جس کا مقصد ایک بیدار اور ترقی یافتہ معاشرہ تشکیل دینا ہے۔ اقبال کے نزدیک اجتہاد کا تصور جامد روایات پر چلتے رہنے کی بجائے زندگی کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق آگے بڑھنا ہے۔

اقبال کی فکر کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ انسان کو ہمیشہ بدلتے ہوئے حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے حرکت میں رہنا چاہیے۔ وہ فرد اور معاشرہ دونوں کو ایک نئے ارتقاء کی طرف راغب کرتے ہیں، جس میں انسان اپنی فطری صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے خود کو اور اپنے معاشرے کو آگے بڑھا سکے۔ یوں اقبال کا تصورِ حرکت ایک ہمہ جہتی پیغام ہے جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو میں ترقی، جدوجہد، اور حرکت کا تقاضا کرتا ہے۔

علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں تصورِ حرکت کو اجاگر کرنے کے لیے مختلف علامتیں اور استعارے استعمال کیے ہیں جو ان کے پیغام کی گہرائی اور اثر کو نمایاں کرتے ہیں۔ ان کی علامتوں میں ایک نمایاں اور اہم علامت "موج" یعنی پانی کی لہر ہے۔ موج کی یہ علامت اقبال کی فارسی اور اردو دونوں شاعری میں بار بار دہرائی گئی ہے، جو ان کی فکر کی عکاس ہے۔ اقبال نے "موج" یا "موج دریا" کو زندگی کی حرکی قوت، عمل، اقدامیت، ارتقاءاور ایک نئے جہان کی تخلیق کے استعارے کے طور پر استعمال کیا ہے۔

اقبال کے اس تصور کی بہترین مثال پیامِ مشرق کی نظم میں ملتی ہے جہاں وہ زندگی اور حرکت کا فلسفہ موج کی علامت کے ذریعے بیان کرتے ہیں۔ اس نظم میں ساحل اور موج کا مکالمہ اس بات کو اجاگر کرتا ہے کہ حرکت اور عمل کے بغیر وجود بے معنی ہے۔ ساحل کہتا ہے:

ساحل افتادہ گفت، گرچہ بسی زیستم
ہیچ نہ معلوم شد آہ کہ من چیستم[1]

'گرتے ہوئے ساحل نے کہا: اگرچہ میں بڑی دیر سے زندہ رہا ہوں، لیکن افسوس مجھے کچھ معلوم نہیں ہوا کہ میں کیا ہوں؟

اس کے جواب میں موج کہتی ہے:

موج ز خود رفتۂ تیز خرامید و گفت
ہستم اگر میروم، گر نروم نیستم[۲]

'از خود رفتہ موج تیزی سے لپکی اور اس نے کہا: اگر میں حرکت میں ہوں تو زندہ ہوں اور اگر نہیں ہوں تو نہیں۔'

یہ اشعار علامہ اقبال نے جرمن شاعر ہائنرش ہائنے (Heinrich Heine 1797–1856) کی نظم "سوالات" کے جواب میں تخلیق کیے اور ان کا عنوان "زندگی و عمل" رکھا۔ اقبال کے لیے موج کی حرکت محض پانی کی روانی نہیں بلکہ ایک فلسفہ ہے جو زندگی کے حقیقی معنی کو آشکار کرتی ہے۔ ان کے مطابق موج کی مسلسل حرکت ہمیں بتاتی ہے کہ زندگی کا حقیقی جوہر عمل اور ارتقاء میں پوشیدہ ہے۔ اگر ہم رک جائیں تو ہمارا وجود بے مقصد ہو جاتا ہے، مگر جب تک ہم حرکت میں ہیں، ہم زندہ اور بامعنی ہیں۔

اقبال کی شاعری میں "موج" کی علامت ایک قوت متحرکہ کی صورت میں سامنے آتی ہے جو انسان کو دنیا میں کچھ نیا کرنے، خود کو اور اپنے ماحول کو مسلسل تبدیل کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ اس علامت کے ذریعے وہ ہمیں اس بات کا پیغام دیتے ہیں کہ جمود میں زندگی ممکن نہیں؛ زندگی ہمیشہ تبدیلی اور ترقی کا نام ہے۔ یوں اقبال کا تصورِ حرکت ان کی شاعری میں ایک دلکش انداز میں ہمیں زندگی کو متحرک انداز میں گزارنے کی دعوت دیتا ہے۔

اگرچہ علامہ اقبال نے موج کی علامت اپنے اردو اور فارسی کلام میں جابجا استعمال کی ہے لیکن جتنی کثرت کے ساتھ یہ علامت بانگ درا میں استعمال ہوئی ہے کسی دوسرے مجموعۂ کلام میں استعمال نہیں ہوئی علامہ اقبال کے اردو اور فارسی کلام کا عمومی جائزہ یہ بتاتا ہے کہ علامہ اقبال نے موج کی علامت اردو کلام میں بال جبریل میں 16 مرتبہ ضرب کلیم میں 11 مرتبہ اور ارمغان حجاز اردو میں 5 مرتبہ استعمال کی جبکہ فارسی کلام میں زبور عجم میں 37 مرتبہ جاوید نامہ میں 28 مرتبہ پیام مشرق میں 24 مرتبہ رموز بے خودی میں 19 مرتبہ اسرار خودی میں 17 مرتبہ، ارمغان حجاز فارسی میں 16 مرتبہ اور پس چہ باید کرد میں 11 مرتبہ استعمال کی ان سب

سے تعداد کے لحاظ سے زیادہ مرتبہ یعنی بانگ درا میں 58 مرتبہ موج کی علامت استعمال کی اور پھر موج کی اصطلاح کے مختلف جہات اور تناظر بھی بانگ درا میں دوسرے مجموعہ کلام کی نسبت زیادہ ہیں۔ بانگ درا میں یہ علامت موج پریشان، موج مضطر، موج بو، آغوش موج، موج دود، موج نسیم، موج نور، نغمہ موج، موج دریا، موج نفس، موج بے تاب، موجِ غم، موج بحر، موج نکہت، موج صبا اور دامن موج کے طور پر استعمال کی گئی ہے۔

یہ جائزہ علامہ اقبال کے موج کی علامت کے حوالے سے دو رویے ہمارے سامنے نمایاں کرتا ہے۔
اول یہ کہ موج کی اصطلاح تعداد اور تناظرات کے لحاظ سے جتنی کثرت کے ساتھ بانگ درا میں استعمال ہوئی ہے کسیاور مجموعہ کلام میں استعمال نہیں ہوئی۔ اور دوسرا یہ کہ بانگ درا میں اقبال نے موج کی علامت کو مادی، غیر مادی اور کیفیتی حقائق کے حوالے سے استعمال کیا ہے جو علامہ اقبال کے تصور حرکت کی پہنائی اور پنہائی کو نمایاں کرتا ہے۔

علامہ اقبال نے بانگِ درا میں موج کی علامت کو نہ صرف اپنے اشعار میں بیان کیا بلکہ کئی نظموں کا عنوان بھی اسی علامت پر رکھا، جس سے ان کی شاعری میں حرکت، ارتقاء، اور آزادی کا فلسفہ واضح ہوتا ہے۔
خاص طور پر ان کی نظم "موجِ دریا" اس تصور کو انتہائی جامع، موثر اور بلیغ انداز میں پیش کرتی ہے۔ اس نظم میں اقبال نے موج کے کردار کو حرکت، عمل، اور بے قراری کی علامت بنایا ہے، جس کا ہر لمحہ متحرک اور اضطراب سے بھرا ہوا ہے۔ یہاں موج کہتی ہے:

مضطرب رکھتا ہے میرا دلِ بے تاب مجھے
عین ہستی ہے تڑپ صورتِ سیماب مجھے
موج ہے نام مرا، بحر ہے پایاب مجھے
ہو نہ زنجیر کبھی حلقۂ گرداب مجھے[۳]

یہ اشعار موج کے آزاد، بے خوف اور متحرک ہونے کی کیفیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ اقبال کی موج بحر کی گہرائیوں میں اترتی ہے، مگر کبھی رکتی نہیں اور نہ ہی کوئی رکاوٹ اسے پابند کر پاتی ہے۔ یہ کیفیت اقبال کی

فلسفیانہ سوچ کو بھی ظاہر کرتی ہے، جس میں وہ انسان کو جمود سے بچنے اور مسلسل حرکت میں رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

نظم کے اگلے اشعار میں اقبال موج کو فطری جذبے اور طاقت کی ایک مکمل مثال بناتے ہیں:

آب میں مثلِ ہوا جاتا ہے توسَن میرا
خارِ ماہی سے نہ اٹکا کبھی دامن میرا
میں اچھلتی ہوں کبھی جذبِ مہِ کامل سے
جوش میں سر کو پٹکتی ہوں کبھی ساحل سے۴

یہ اشعار موج کی طاقت اور آزادی کی طرف اشارہ کرتے ہیں، جس میں وہ بغیر کسی روک کے پانی کی لہروں میں سفر کرتی ہے۔ اسے کسی محدود جگہ یا رکاوٹ کا خوف نہیں، بلکہ اپنی منزل سے محبت ہے، جس کے باعث وہ مسلسل حرکت میں رہتی ہے۔ اقبال کی موج کی یہ کیفیت انسان کو یہ پیغام دیتی ہے کہ اسے بھی زندگی میں ہر رکاوٹ کو پار کرتے ہوئے اپنی راہ پر گامزن رہنا چاہیے۔

نظم کے آخری اشعار میں موج اپنی تڑپ اور وسعت کی آرزو کا اظہار کرتی ہے:

ہوں وہ رہرو کہ محبت ہے مجھے منزل سے
کیوں تڑپتی ہوں، یہ پُوچھے کوئی میرے دل سے
زحمتِ تنگیِ دریا سے گریزاں ہوں میں
وسعتِ بحر کی فُرقت میں پریشاں ہوں میں۵

ان اشعار میں موج کی آزادی کی خواہش اور محدودیت سے نکلنے کی آرزو جھلکتی ہے۔ موج، جسے وسیع سمندر چاہیے، دریا کی تنگی سے نکلنا چاہتی ہے، اور یہی بے چینی اسے ہر دم آگے بڑھنے پر مجبور رکھتی ہے۔ اقبال نے اس موج کے ذریعے انسان کو حرکت، آزادی اور وسیع مقاصد کے لیے جدوجہد کا پیغام دیا ہے، جس سے وہ جمود اور محدودیت سے نکل کر آگے کی طرف بڑھنے کا حوصلہ حاصل کرتا ہے۔

(2)

موج زندگی کی ایک متحرک اور جاندار علامت ہے، اور علامہ اقبال کے کلام میں اس کی اہمیت نمایاں ہے۔ اقبال کے ہاں موج زندگی کی اس مسلسل جدوجہد، چیلنجز سے نبرد آزما ہونے، اور بے خوفی سے منزل کی طرف گامزن رہنے کا استعارہ ہے۔ زندگی کے اعلیٰ مقاصد کو پانے کے لیے انسان کو جن مشکلات اور چیلنجز کا سامنا ہوتا ہے، اقبال ان سب کو موج کی علامت میں سمیٹتے ہیں۔ ان کے نزدیک، موج کا کردار زندگی کی متحرک، پُرجوش اور عزم سے بھرپور صورت کو نمایاں کرتا ہے۔

اقبال اس تصور کو مختلف اشعار کے ذریعے بیان کرتے ہیں، جیسے کہ:

لذّتِ قربِ حقیقی پر مِٹا جاتا ہوں میں
اختلاطِ موجہ و ساحل سے گھبراتا ہوں میں[6]

یہاں، موج کی حیثیت ایک ایسے مسافر کی ہے جو مسلسل حرکت میں ہے اور ساحل پر رکنے سے گھبراتا ہے۔ اس کے لیے حقیقی خوشی اور زندگی کی اصل لذت، مشکلات میں چھپی ہوئی ہے۔ موج کا سفر صرف حرکت ہی نہیں بلکہ ایک بے انتہا مقصد کے حصول کا عکاس بھی ہے۔

مزید برآں، اقبال ایک اور انداز میں موج کی حرکت کو بیان کرتے ہیں:

مثلِ بُوئے گُل لباسِ رنگ سے عُریاں ہے تو
ہے تو حکمت آفریں، لیکن تجھے سودا بھی ہے
جانبِ منزل رواں بے نقشِ پا مانندِ موج
اور پھر اُفتادہ مثلِ ساحلِ دریا بھی ہے[7]

اقبال کے اس شعر میں موج کو ایک بے مثال مسافر کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جو نقش چھوڑے بغیر سفر کرتا ہے۔ یہاں موج کی کیفیت نہ صرف مقصدیت بلکہ استقلال اور آزادی کی بھی علامت ہے۔ موج کبھی ایک منفرد مسافر کی طرح منزل کی طرف چلتی ہے، تو کبھی ساحل کی بے حرکتی میں رک کر فنا کی عکاسی کرتی ہے۔

اسی طرح، اقبال کی ایک اور نظم میں وہ موج کے تعلق کو انسان کی جدوجہد کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

در بیابانِ طلب پیوستہ می کوشیم ما
موجِ بحریم و شکستِ خویش بر دوشیم ما۸

یہاں اقبال نے موج کو طلب کے بیابان میں جدوجہد کرتے ہوئے ایک بحری طاقت سے تشبیہ دی ہے۔ یہ موج اپنی شکست کو اپنے اوپر لیے ہوئے ہے، یعنی اسے ناکامی کا خوف نہیں بلکہ وہ اپنی ناکامی کو بھی اپنی طاقت بنا لیتی ہے۔

اقبال کے ہاں موج ایک مکمل علامت ہے، جو زندگی کے ہر پہلو کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ یہ عزم و ہمت، استقلال، اور اپنی منزل کی طرف بڑھنے کا استعارہ ہے۔ موج کی یہ علامت انسان کو بتاتی ہے کہ زندگی کے سفر میں مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہیے، بلکہ ان چیلنجز کو اپنے وجود کا حصہ بنانا چاہیے۔

موج اقبال کی شاعری میں نہ صرف فرد کی علامت ہے بلکہ قوم کی اجتماعی وحدت کا بھی ایک بہترین استعارہ ہے۔ اقبال کے نزدیک، موج کا وجود اسی وقت ممکن ہے جب وہ دریا کا حصہ ہو؛ جیسے ایک فرد کی شناخت اور بقا اسی وقت برقرار رہتی ہے جب وہ ملت کے ربط اور اجتماعی وحدت کا حصہ ہو۔ فرد کی قوت اور اس کی بقا اسی میں ہے کہ وہ اپنی قوم اور ملت کے ساتھ جڑا رہے، ورنہ تنہا رہ کر اس کا کوئی مستقل وجود اور حیثیت نہیں۔ اقبال اس خیال کو اپنے اشعار میں یوں بیان کرتے ہیں:

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں۹

ان اشعار میں اقبال نے دریا کو قوم کی علامت اور موج کو فرد کے طور پر پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک جس طرح ایک موج کی طاقت اور حرکت دریا کے اندر ہی ممکن ہے، اسی طرح فرد کی بقا، ترقی اور پہچان ملت کے ساتھ جڑے رہنے میں ہے۔ دریا سے الگ ہو کر موج کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے؛ اسی طرح قوم سے الگ ہو کر فرد کی شناخت، مقصد اور اثر ختم ہو جاتے ہیں۔

یہ تصور ہمیں یہ پیغام دیتا ہے کہ فرد اور قوم کا تعلق گہرے ربط میں بندھا ہوا ہے۔ ایک فرد کو چاہے وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو، اپنی تمام صلاحیتیں، جذبات، اور زندگی کی سمت قوم کے اجتماعی مفاد کے لیے استعمال کرنی چاہیے۔ فرد کی ترقی، عروج، اور وقار اسی وقت ممکن ہے جب وہ اپنی قوم کے ساتھ جڑا رہے۔

اقبال اپنے حیات افروز اور امید و یقین کے پیغام کو بھی موج کے تصور سے واضح کرتے ہیں۔ ان کی نظر میں زندگی کے امکانات اور نئی راہیں اس وقت وجود میں آتی ہیں جب موج اضطراب اور بے قراری کے عالم میں پابندیوں کو توڑتی ہے۔ اقبال کا یقین ہے کہ جب موج اپنی محدودیت سے بغاوت کرتی ہے تو اس کی حرکت سے نئی تخلیقات اور نئے امکانات کا جنم ہوتا ہے۔ موج کے اضطراب میں ایک قوت پوشیدہ ہے جو دریا کی رفتار کو نئی جہت عطا کرتی ہے۔ اقبال اس خیال کو اپنے اشعار میں یوں بیان کرتے ہیں:

دیکھ لو گے سطوتِ رفتارِ دریا کا مآل
موجِ مضطر ہی اسے زنجیر پا ہو جائے گی ۱۰

یہاں اقبال دریا کی رفتار اور اس کی عظمت کو اس وقت خطرے میں دیکھتے ہیں جب موج بے چین اور مضطرب ہو کر اسے پابندیوں میں جکڑنے کا سبب بن سکتی ہے۔ موج کا اضطراب اس بات کی علامت ہے کہ جب کوئی عنصر اپنے فطری دائرے سے باہر نکلتا ہے تو اس کی حرکت اس کے لیے نئی حدود تخلیق کرتی ہے۔ مزید برآں، اقبال ایک اور زاویے سے اس خیال کو بیان کرتے ہیں:

موجِ مضطر توڑ کر تعمیر کرتی ہے حباب
موج کے دامن میں پھر اُس کو چُھپا دیتی ہے یہ ۱۱

یہاں اقبال ہمیں دکھاتے ہیں کہ موج کا اضطراب وقتی طور پر حباب کو جنم دیتا ہے، اور پھر اسے دوبارہ اپنی آغوش میں چھپالیتا ہے۔ یہ عمل ہمیں یہ بتاتا ہے کہ بغاوت اور تخلیق کا عمل ایک عارضی ارتعاش ہے جو استحکام کے بعد دوبارہ وحدت میں ضم ہو جاتا ہے۔ موج، جو ایک لمحاتی بے چینی سے تعمیر کرتی ہے، دوبارہ سکون اور ہم آہنگی کی طرف لوٹ آتی ہے۔

اقبال اس خیال کو ایک اور پیرائے میں بیان کرتے ہیں:

جیسے گہوارے میں سو جاتا ہے طفلِ شیرخوار
موجِ مُضطر تھی کہیں گہرائیوں میں مستِ خواب ۱۲؎

یہ شعر موج کی خاموش قوت اور اس کی اندرونی سکون کی عکاسی کرتا ہے۔ موج کا اضطراب اس وقت گہرائیوں میں خوابیدہ ہو جاتا ہے جیسے ایک بچہ گہوارے میں سکون کی نیند سوتا ہے۔ یہاں اقبال یہ بتاتے ہیں کہ موج کی بے چینی اور اس کا اضطراب ایک وقتی کیفیت ہے، جو وقت کے ساتھ ساتھ امن اور سکون کی حالت میں بدل جاتی ہے۔ آخر میں، اقبال ہمیں موج کے عروج وزوال کی حقیقت سے روشناس کراتے ہیں:

تُو نے دیکھا سطوَتِ رفتارِ دریا کا عروج
موجِ مُضطر کس طرح بنتی ہے اب زنجیر دیکھ ۱۳؎

یہاں اقبال ہمیں موج کے متحرک اور پُرجوش عروج کو بھی دکھاتے ہیں اور اس کے زوال کو بھی، جو اسے پابندیوں میں جکڑ دیتا ہے۔ ان کے نزدیک زندگی میں ترقی اور زوال دونوں ایک دوسرے سے منسلک ہیں؛ جب موج اپنے اضطراب کو قابو میں نہیں رکھتی تو یہی اضطراب اسے زنجیر پابنا دیتا ہے۔

اقبال کے ہاں موج کی یہ کیفیت ایک گہرے فلسفے کی عکاس ہے۔ ان کے نزدیک موج ایک زندہ وجود ہے جو تخلیق، عروج، زوال اور سکون کے مختلف مراحل سے گزرتی ہے۔ یہ استعارہ ہمیں زندگی میں پائے جانے والے مسلسل تغیرات اور حرکت کی حقیقت سے روشناس کراتا ہے اور ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ زندگی میں کامیابی انہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو پابندیوں کو توڑ کر نئے امکانات پیدا کرتے ہیں۔

اقبال موج کو فطرت کا وہ طاقتور ذریعہ قرار دیتے ہیں جو زندگی کی مشکلات کو آسانی اور تاریکی کو روشنی میں بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ان کے نزدیک موج ہوا کو ایک نرم رومال کی طرح سنبھال لیتی ہے اور بادلوں کے ذریعے ہوا کے تیز رفتار گھوڑے کو قابو میں لاتی ہے:

دامنِ موجِ ہوا جس کے لیے رومال ہے
ابر کے ہاتھوں میں رہوارِ ہوا کے واسطے۱۴

یہ اشعار اس بات کی عکاسی کرتے ہیں کہ فطرت کی طاقتیں باہم مربوط ہیں اور موج کی قوت ان میں توازن اور ہم آہنگی پیدا کرتی ہے۔ اقبال کے نزدیک موج نہ صرف مشکلات پر قابو پانے کا ذریعہ ہے بلکہ فطرت کی متحرک قوتوں کو اپنی گرفت میں لے کر زندگی کے لیے راہیں ہموار کرتی ہے۔

(3)

یہ بات انتہائی دلچسپ ہے کہ جدید سائنس نے مادی (غیر حیاتیاتی) اور حیاتیاتی میدانوں میں موج کی اہمیت اور اس کے باہمی روابط کو تسلیم کیا ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے کلام میں موج کے اس تصور کو نہایت بلیغ انداز میں بیان کیا ہے، جو زندگی کی گہرائیوں، متحرک قوتوں اور کائناتی ربط کا مظہر ہے:

ہے تنک مایہ تو ذرّے سے بیاباں ہوجا
نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہوجا! ۱۵

یہاں اقبال ہمیں موج کی مانند فعال اور متحرک ہونے کی ترغیب دیتے ہیں، کہ اگر ہم میں ذرہ برابر صلاحیت بھی ہے تو اسے اتنا وسیع کر دیں کہ بیابان جیسی وسعت کو پالیں، اور موج کے نغمے سے طوفان جیسا اثر پیدا کریں۔

جدید سائنسی تحقیقات نے موج اور زندگی کے باہمی تعلق کو اجاگر کیا ہے۔ کوانٹم میکینکس، جو کہ بنیادی طور پر مادہ اور توانائی کی موجی اور ذراتی خصوصیات کا مطالعہ کرتی ہے، اب حیاتیاتی نظاموں میں بھی دلچسپی کا موضوع بن چکی ہے۔ حالیہ تحقیقات نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کوانٹم ویوز جیسے کہ کوہیرنس اور سپرپوزیشن زندگی کے حیاتیاتی عملوں میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ فوٹوسنتھیسز، اینزائم کے کیمیائی رد عمل، اور حیوانات میں مقناطیسی احساس جیسے حیاتیاتی مظاہر بتاتے ہیں کہ زندگی کی بنیادی خصوصیات کوانٹم اصولوں سے منسلک ہیں۔ حتیٰ کہ کوانٹم میکینکس اور شعور کے ممکنہ تعلقات بھی دریافت ہو رہے ہیں۔ اگرچہ ان مظاہر کو

تجرباتی طور پر ثابت کرنا مشکل ہے، لیکن کوانٹم ویوز زندگی کی پیچیدگی کو سمجھنے میں اہم بصیرتیں فراہم کر سکتی ہیں۔ کوانٹم بائیولوجی زندگی کو کوانٹم بنیادوں پر سمجھنے کی کوشش کر رہی ہے۔

کوانٹم میکینکس، طبیعیات کی وہ شاخ ہے جو ایٹمی اور سب ایٹمی سطح پر ذرات کی غیر روایتی خصوصیات کا مطالعہ کرتی ہے۔ اس کا بنیادی اصول "ویو پارٹیکل ثنویت" ہے جس میں الیکٹران اور فوٹون جیسے ذرات، موج اور ذرہ دونوں کی خصوصیات رکھتے ہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ کوانٹم مظاہر صرف چھوٹے پیمانے پر اور مخصوص ماحول میں ہی پائے جاتے ہیں، لیکن حالیہ برسوں میں کوانٹم بائیولوجی نے یہ اشارے دیے ہیں کہ کوانٹم ویوز حیاتیاتی عملوں میں بھی کردار ادا کر سکتی ہیں۔ یعنی زندگی میں کوانٹم ویوز کا کردار موجود ہے اور وہ حیاتیاتی عوامل پر اثرانداز ہو سکتی ہیں۔

کوانٹم ویوز یا کوانٹم ویو فنکشن کسی بھی ذرے کی موجودگی کے امکان کو ظاہر کرتا ہے۔ ویو-پارٹیکل ثنویت کے اصول کے تحت ایک ذرہ (جیسا کہ الیکٹران) بیک وقت موج اور ذرہ دونوں کی صورت میں ظاہر ہو سکتا ہے، جب تک کہ اسے کسی مخصوص مقام پر ناپا نہ جائے۔ اس کا یہ دوہرا رویہ ہمارے اردگرد کی حقیقت کو مختلف انداز میں سمجھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ علامہ اقبال فطرت کے مختلف عناصر میں موج کے جس کردار کا ذکر کرتے ہیں، اس کی تفہیم جدید تحقیقات کے تصورات سے بہتر انداز سے ہو سکتی ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

دشت میں، دامنِ کُہسار میں، میدان میں ہے
بحر میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے[۱۶]

اقبال ان اشعار میں موج کو مختلف فطری مناظر اور ماحول کی علامت کے طور پر پیش کرتے ہیں، جو کہ وادیوں، میدانوں، اور سمندر کی گہرائیوں میں موجود ہے، گویا کہ موج ہر جگہ موجود اور فطرت کا حصہ ہے۔

کوانٹم بائیولوجی ایک ایسا شعبہ ہے جو زندگی کے حیاتیاتی عوامل کو کوانٹم میکینکس کے اصولوں کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ کوانٹم ویوز کا کردار فوٹو سنتھیسز، اینزائم کی کارکردگی اور جانوروں کے نیویگیشن جیسے عملوں میں شامل ہے۔ محققین کا کہنا ہے کہ کوانٹم ویوز زندگی کے بنیادی عناصر میں مؤثر تعاملات پیدا کرتی ہیں۔[۱۷]

فوٹو سنتھیسز میں روشنی کی توانائی کو پودے کی کلوروفل میں موجود مالیکیولز تک پہنچانے کا عمل شامل ہے۔ اس عمل میں روشنی کے ذرات (فوٹونز) کوانٹم سپر پوزیشن کے ذریعے راستے تلاش کرتے ہیں، جس سے توانائی کی منتقلی زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔۱۸؎

گویا موج کائنات کی نئی تخلیقات کے ساتھ منسلک ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

تازہ انجم کا فضائے آسماں میں ہے ظہور
دیدہ انساں سے نامحرم ہے جن کی موجِ نور۱۹؎

یہاں اقبال موج کو نئی کہکشاؤں کی تخلیق کا ذریعہ قرار دیتے ہیں، جن کی نورانی موجیں انسانی آنکھوں سے پوشیدہ رہتی ہیں، مگر ان کی تجلی کائنات کی وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہے۔

علامہ اقبال نے اپنے کلام میں زندگی کی مادی، غیر مادی، نفسیاتی اور شعوری سطحوں کا موج سے گہرا تعلق بیان کیا ہے۔ جدید سائنسی تحقیقات اس تعلق کی وضاحت کرتی ہیں۔ کوانٹم میموری کا نظریہ کہتا ہے کہ دماغ میں یادداشت کے عمل میں کوانٹم سپر پوزیشن کی مدد سے یادوں کو مؤثر انداز میں محفوظ کیا جا سکتا ہے۔ یہ نظریہ کوانٹم میکینکس کے اصولوں کو یادداشت کے حیاتیاتی عمل میں لاگو کرنے کی کوشش کرتا ہے۔۲۰؎ کوانٹم ٹنلنگ کا عمل ذرات کو توانائی کی رکاوٹ عبور کروا سکتا ہے، جو عام طور پر کلاسیکل میکینکس میں ممکن نہیں ہوتا۔ ڈی این اے میں پروٹونز کی ٹنلنگ حیاتیاتی ارتقاء میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے اور ان تبدیلیوں کا اثر جینیاتی ارتقاء پر بھی پڑتا ہے۔۲۱؎

کوانٹم ویوز کا ماحول کے ساتھ بھی گہرا تعلق ہے۔ کچھ جانور، جیسے کہ پرندے، کوانٹم ویوز کے ذریعے زمین کے مقناطیسی میدان کو محسوس کر کے راستہ تلاش کرتے ہیں۔ ان کے جسم میں موجود کوانٹم سنسرز انہیں سفر میں مدد فراہم کرتے ہیں۔۲۲؎

حیاتیاتی عمل اور کوانٹم فینومینا: کوانٹم ویوز حیاتیاتی کیمیائی تعاملات میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اینزائم کے تعاملات، جو بایو کیمیکل ردِ عمل میں توانائی کی منتقلی میں شامل ہوتے ہیں، کوانٹم ٹنلنگ اور ویوز کے اصولوں سے زیادہ مؤثر بنائے جا سکتے ہیں۔۲۳؎

کوانٹم ویوز اور زندگی کے درمیان تعلق ایک دلچسپ اور پر اسرار موضوع ہے۔ حالیہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ کوانٹم ویوز کے اصولوں کو سمجھ کر ہم زندگی کے حیاتیاتی عملوں میں نئے نظریات لا سکتے ہیں۔

فوٹو سنتھیسز، شعور، یادداشت، اور نیویگیشن جیسے عمل کو انٹم بائیولوجی کی مدد سے بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات کے بنیادی اصول زندگی کے عمل میں ایک گہرے ربط میں ہیں۔ مستقبل میں اس موضوع پر مزید تحقیق انسانی شعور اور زندگی کے ارتقاء کو سمجھنے کے نئے دروازے کھول سکتی ہے۔ کچھ سائنسدانوں کا خیال ہے کہ انسانی دماغ میں شعور کے عمل میں کوانٹم ویوز کا کردار ہو سکتا ہے۔ پنروز اور ہیمر آف کا نظریہ کہتا ہے کہ نیورونز میں موجود مائیکروٹیوبولز کے اندر کوانٹم تعاملات شعور کی کیفیت کا سبب بن سکتے ہیں۔ ۲۴

اقبال موج کو داخلی کیفیات اور انسان کے باطنی تجربات کے لیے بھی استعارہ بناتے ہیں:

موجِ دُودِ آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنجِ آب آورد سے معمور ہے دامن مرا ۲۵

یہاں موجِ آہ کو دل کی گہرائیوں میں چھپے درد اور جذبات کی علامت کے طور پر بیان کیا گیا ہے، جو آئینہ کو روشن کرتی ہے اور دامن کو آب سے معمور کر دیتی ہے۔

اقبال موج کو زندگی اور موت کے راز کے طور پر پیش کرتے ہیں:

موت ہے ہنگامہ آرا قُلزمِ خاموش میں
ڈُوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں ۲۶

یہاں اقبال موج کی گہرائی اور اس کی شدت کو ظاہر کرتے ہیں، جو خاموش سمندر میں موت کے ہنگامے بپا کرتی ہے اور کشتیاں اس کی آغوش میں ڈوب جاتی ہیں، یوں موج کی وسعت اور اس کا اسرار زندگی کے اسرار کو عیاں کرتا ہے۔ اقبال کے نزدیک موج کائنات کی متحرک قوتوں کی علامت ہے، جو زندگی کو وسعت، قوت، اور تجدید کا پیغام دیتی ہے، اور جدید سائنس بھی اس باہمی ربط کو تسلیم کرتی ہے۔

بانگ درا کی نظم "کنارِ راوی" میں بھی موج کو کائنات کی حرکت اور زندگی کی دائمی روانی کے ایک علامتی استعارے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس نظم میں اقبال راوی کے کنارے شام کے وقت کے سکون اور فطرت کی

خاموشی میں کھڑے ہیں، لیکن اس سکوت کے پیچھے انہیں ایک گہری اور مسلسل حرکت کا احساس ہوتا ہے، جسے وہ موج کے استعارے کے ذریعے بیان کرتے ہیں۔

موج کا تصور:

نظم میں موج کا تصور انسانی زندگی، کائنات کی حرکت، اور فنا و بقا کے درمیان تعلق کو واضح کرتا ہے۔ اقبال اس کشتی کو دیکھتے ہیں جو دریا کی لہروں پر بہتی جا رہی ہے، جس میں ملاح موج سے نبرد آزما ہے۔ یہ منظر انسانی زندگی کی کشمکش اور جدوجہد کو نمایاں کرتا ہے، جس میں انسان مشکلات سے گزرتا ہے، مگر زندگی کی روانی برقرار رہتی ہے۔

رواں ہے سینۂ دریا پہ اک سفینۂ تیز
ہوا ہے موج سے ملاح جس کا گرم ستیز ۲۷

اقبال کے نزدیک یہ موج اور ملاح کی کشمکش زندگی کی حقیقت کو بیان کرتی ہے، جہاں ہر لمحے میں تبدیلی، جدوجہد اور مسلسل حرکت کا عمل جاری رہتا ہے۔

کشتی کی رفتار اور انسانی زندگی کا فلسفہ:

کشتی کی تیز رفتاری کو اقبال انسانی زندگی کی جانب اشارہ قرار دیتے ہیں جو ابدیت کے سمندر میں پیدا ہوتی ہے، سفر کرتی ہے، اور پھر نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے، مگر مکمل طور پر فنا نہیں ہوتی۔ یہ ابدیت کے اس بحر کا حصہ بن جاتی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔

جہازِ زندگیِ آدمی رواں ہے یونہی
ابد کے بحر میں پیدا یونہی، نہاں ہے یونہی ۲۸

یہاں موج کا تصور زندگی کی روانی اور اس کے مسلسل بہاؤ کا استعارہ ہے، جو وقت کی محدودیت کو پار کرتی ہے اور ابدی سچائی کا حصہ بن جاتی ہے۔ اقبال نے زندگی کو ایک ایسی کشتی کے طور پر بیان کیا ہے جو اپنے سفر میں مشکلات کا سامنا کرتی ہے لیکن فنا کے تصور سے بالاتر ہے۔

فنا اور بقا کا فلسفہ:

نظم کے اختتام پر اقبال اس بات کا اشارہ دیتے ہیں کہ یہ موج اور کشتی کبھی شکست سے دوچار نہیں ہوتی۔ وہ وقت کی گہرائیوں میں نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے لیکن فنا کے عمل سے گزر کر بھی قائم رہتی ہے۔ اقبال یہاں انسانی زندگی کی بقا اور اس کی اصل کو موج کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔

شکست سے یہ کبھی آشنا نہیں ہوتا
نظر سے چھپتا ہے لیکن فنا نہیں ہوتا ۲۹

یہ شعر اقبال کے فلسفہ بقا کا عکاس ہے، جہاں زندگی فنا کے بعد بھی اپنی اصل میں باقی رہتی ہے۔ موج اس ابدی وجود اور اس بقا کا استعارہ ہے جو ہمیشہ حرکت میں رہتی ہے، کبھی رکی نہیں۔

'کنار راوی' موج کے ذریعے زندگی کے فلسفے کو پیش کرتی ہے۔ موج، کشتی، دریا اور شام کے مناظر کو ملاتے ہوئے، اقبال نے زندگی، وقت، بقا اور فنا کی ایسی تصویر پیش کی ہے جو حرکت، جدوجہد اور لامحدودیت کو بیان کرتی ہے۔ موج کا یہ تصور اقبال کے حیات افروز فلسفے کی عکاسی کرتا ہے، جو زندگی کی حقیقت کو سمجھنے اور اس کی گہرائیوں میں اترنے کی دعوت دیتا ہے۔

بانگ درا کی ایک اور نظم "سوامی رام تیرتھ" میں موج کا تصور زندگی کی حرکت، تبدیلی، اور باطنی حقائق کے انکشاف کا استعارہ ہے۔ اس نظم میں اقبال نے قطرے کی شکل میں انسانی زندگی کو بیان کیا ہے، جسے اپنے سفر کے دوران مسلسل ارتقاء اور تبدیلی کے مراحل سے گزرنا ہوتا ہے۔ اس میں موج کا تصور خود کو محدود وجود سے آزاد کر کے ایک عظیم اور نایاب گوہر بننے کے عمل کا استعارہ ہے۔

قطرہ اور موج کا استعارہ:

نظم کی ابتدا میں اقبال قطرے کو دریا کے ساتھ اس کے تعلق کی یاد دلاتے ہیں۔ ایک بے تاب قطرہ، جو پہلے گوہر تھا، اب گوہرِ نایاب بن چکا ہے۔ اس تبدیلی اور ارتقاء کا عمل اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ انسان اپنی محدودیت سے نکل کر عظیم مقام حاصل کر سکتا ہے۔

ہم بغل دریا سے ہے اے قطرۂ بے تاب تو
پہلے گوہر تھا، بنا اب گوہرِ نایاب تو ۳۰

یہاں موج کے سفر کو ایک روحانی سفر کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جس میں قطرہ دریا کا حصہ بن کر اپنی حقیقت کو پاتا ہے اور اپنی اصل میں واپس آ جاتا ہے۔

رنگ و بو کا راز اور حقیقت کی تلاش:

اقبال زندگی کے ظاہری عناصر، جیسے کہ رنگ و بو، کو روحانی بیداری کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ اقبال کے لیے موج کا استعارہ ایسی حرکت ہے جو ان ظاہری پابندیوں کو توڑ کر حقیقی حقیقت کی طرف گامزن ہوتی ہے۔

آہ! کھولا کس ادا سے تو نے رازِ رنگ و بو
میں ابھی تک ہوں اسیر امتیازِ رنگ و بو ۳۱

یہاں اقبال اپنی جستجو میں ایک بے چینی کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ ابھی تک ظاہری دنیا کے فریب میں الجھے ہوئے ہیں، جب کہ موج ان رنگ و بو کی قید سے آزاد ہو کر حقیقت تک پہنچ چکی ہے۔

نفی ہستی اور عشق کا تصور:

اقبال موج کو "نفی ہستی" کے عمل سے جوڑتے ہیں، جس میں انسان اپنے وجود کو مٹا کر حقیقتِ واحد کو پانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ تصور اسلام کے "لا الہ الا اللہ" کی روحانی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے، جس میں دنیاوی زندگی سے بلند ہو کر ابدی حقیقت کو پانا شامل ہے۔

نفیِ ہستی اک کرشمہ ہے دلِ آگاہ کا
'لا' کے دریا میں نہاں موتی ہے 'الاّاللہ' کا ۳۲

یہاں اقبال موج کو لا کے دریا میں پوشیدہ ایک موتی کی طرح بیان کرتے ہیں، جس میں انسان اپنی محدود انا کو مٹا کر حقیقی توحید کے راز کو پالیتا ہے۔

تڑپ اور حرکت کا استعارہ:

اقبال کے نزدیک موج کی تڑپ اس کی زندگی اور حرکت کی علامت ہے۔ جب تک یہ تڑپ اور جستجو برقرار رہتی ہے، انسان زندگی کی حقیقت کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ لیکن جس لمحے یہ تڑپ رک جائے، زندگی کا عمل بھی تھم جاتا ہے۔

چشمِ نابینا سے مخفی معنیِ انجام ہے
تھم گئی جس دم تڑپ، سیماب سیم خام ہے۳۳

اقبال کے لیے یہ تڑپ اور بے قراری ہی زندگی کی اصل ہے، اور موج کا سفر کبھی ختم نہیں ہوتا، جب تک کہ انسان اس تڑپ کو برقرار رکھتا ہے۔

عشق اور بغاوت:

آخر میں اقبال موج کو عشق کے ساتھ جوڑتے ہیں، جسے وہ ابراہیمی جذبے سے تعبیر کرتے ہیں۔ عشق انسان کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنے اندر موجود "بت" کو توڑ دے اور حقیقی حقیقت کو پالے۔

توڑ دیتا ہے بُتِ ہستی کو ابراہیم عشق
ہوش کا دارُو ہے گویا مستیِ تسنیم عشق۳۴

اقبال کے نزدیک عشق ایک ایسی قوت ہے جو انسان کو خود سے بلند کر کے حقیقی حقیقت سے ہم آہنگ کر دیتی ہے، اور یہ عشق موج کی طرح ہر حد اور رکاوٹ کو توڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ علامہ اقبال کی فکر کا محور زندگی، حرکت اور عمل ہے، جو انسان کو جمود سے نکال کر مسلسل ترقی اور جدوجہد کی راہ دکھاتا ہے۔ ان کے نزدیک زندگی کا مقصد رکنا نہیں بلکہ آگے بڑھنا اور دنیا کو بہتر بنانا ہے۔ اقبال کے کلام میں "موج" زندگی کی متحرک قوت اور تبدیلی کی علامت کے طور پر ابھرتی ہے، جو جستجو اور ارتقاء کی عکاس ہے۔ بانگِ درا اور دیگر کلام میں انہوں نے موج کو حرکت اور تبدیلی کے ذریعے انسان کو خود کو بہتر بنانے اور مشکلات کو عبور کرنے کا پیغام دیا ہے۔ اقبال کے فلسفۂ حرکت کے تحت انسان کو چاہیے کہ وہ زندگی میں آنے والے چیلنجز کا سامنا جواں مردی سے کرے، اپنی ذات میں

ارتقاء لائے اور ملت کے ساتھ جڑے رہ کر ایک مضبوط اور خوددار قوم کا حصہ بنے۔ ان کے نزدیک زندگی کی اصل جدوجہد میں ہے، اور انسان کو ہر لمحہ اپنی منزل کی تلاش میں متحرک رہنا چاہیے۔ یوں علامہ اقبال کا فلسفۂ حرکت انسان کو نہ صرف فردی سطح پر بلکہ اجتماعی سطح پر بھی ترقی، تبدیلی اور عزم کی دعوت دیتا ہے۔ ان کی شاعری اور فلسفہ آج بھی ہمیں زندگی کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے اور آگے بڑھنے کی تحریک دیتا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال فارسی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۰، ص ۲۹۸

۲۔ ایضاً ص ۲۹۸

۳۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۱۸، ص ۹۴

۴۔ ایضاً ص ۹۴

۵۔ ایضاً، ص ۹۴

۶۔ ایضاً، ص ۴۷

۷۔ ایضاً ص ۱۴۸

۸۔ ایضاً، ص ۱۵۰

۹۔ ایضاً، ص ۲۱۷

۱۰۔ ایضاً ص ۲۲۲

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۶۰

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۸۳

۱۳۔ ایضاً، ص ۲۹۶

۱۴۔ ایضاً، ص ۵۲

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۳۶

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۳۶

17. Lambert, N., et al. (2013).“Quantum biology.” Nature Physics, 9(1), 10-18

18. Engel, G. S., et al. (2007). “Evidence for wavelike energy transfer through quantum coherence in photosynthetic systems.” Nature, 446(7137), 782-786.

۱۹۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو، ص ۲۴۴

20. Fisher, M. P. A. (2015). "Quantum cognition: The possibility of processing with nuclear spins in the brain." Annals of Physics, 362, 593-602.
21. McFadden, J., & Al-Khalili, J. (2014). "Life on the Edge: The Coming of Age of Quantum Biology." Crown Publishing Group.
22. Ritz, T., et al. (2000)."A model for photoreceptor-based magnetoreception in birds." Biophysical Journal, 78(2), 707-718.
23. Huelga, S. F., &Plenio, M. B. (2013)."Vibrations, quanta and biology." Contemporary Physics, 54(4), 181-207.
24. Penrose, R., &Hameroff, S. (1996). "The orchestrated objective-reduction proposal for human consciousness." Philosophical Transactions of the Royal Society A, 356(1743), 1869-1896.

۲۵۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال اردو، ۲۰۱۸، ص ۲۵۶

۲۶۔ ایضاً، ص ۲۵۹

۲۷۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۲۸۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۲۹۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۳۰۔ ایضاً، ص ۱۳۹

۳۱۔ ایضاً، ص ۱۳۹

۳۲۔ ایضاً، ص ۱۳۹

۳۳۔ ایضاً، ص ۱۳۹

۳۴۔ ایضاً، ص ۱۳۹